ضرورت الاعتنأ بالدین

(دین کے اہتمام کی ضرورت)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	خطبۂ ماثورہ	۶
۲	اولاد کے لئے دعا	۶
۳	حضور ﷺ کی تنبیہ	۷
۴	انسان دنیا و آخرت دونوں کا محتاج ہے	۸
۵	اولاد کی دینی تربیت کا اہتمام	۸
۶	انبیاء علیہم السلام کو عقلِ معاش بھی کامل ہوتی ہے	۹
۷	علماء پر دنیا سے بے خبری کا مہمل اعتراض	۱۰
۸	علماء کا طلب دنیا سے روکنا بے وجہ نہیں	۱۱
۹	انبیاءِ کرام کا کام	۱۲
۱۰	طلب دنیا میں انبیاءؑ کا ذوق	۱۲
۱۱	ایک مشترکہ مرض	۱۳

۱۲	ایک غلطی کا ازالہ	۱۴
۱۳	رسالت کا منکر خدا کا منکر ہے	۱۵
۱۴	حدیث کا مطلب	۱۶
۱۵	دعاءِ ابراہیمی کا مصداق	۱۷
۱۶	تعلیم بواسطہ تعلیم بلا واسطہ سے افضل ہے	۱۸
۱۷	حضور ﷺ کے واسطے سے تعلیم کا فائدہ	۲۰
۱۸	خواب میں حضور ﷺ کی زیارت	۲۰
۱۹	بواسطہ نبی تعلیم میں حکمت	۲۱
۲۰	نیک صحبت کی ضرورت	۲۱
۲۱	صحبت کا اثر	۲۲
۲۲	آپ ﷺ کی ذات گرامی ایک نمونہ ہے	۲۳
۲۳	شبہہ کا جواب	۲۴
۲۴	شادی میں عمر کا لحاظ	۲۶
۲۵	حضرت فاطمہؓ کی شادی	۲۷
۲۶	حالتِ غم میں حضور ﷺ کا طرزِ عمل	۲۹
۲۷	چالیسویں کی بدعت	۲۹

۲۸	حضور ﷺ کے فقر اختیار کرنے کی وجہ	۳۱
۲۹	شاہ ابوالمعالیؒ کی حکایت	۳۳
۳۰	متکبّر امراء کا غرباء سے برتاؤ	۳۴
۳۱	غرباء کی علماء سے محبت	۳۵
۳۲	حضور ﷺ کا ایک غریب کی دعوت قبول کرنا	۳۶
۳۳	آج کل کی تہذیب	۳۷
۳۴	نوکروں کو اپنے سامنے کھڑے کرنے کی برائی	۳۷
۳۵	محبت کا فائدہ	۳۸
۳۶	عظمت کا مقتضٰی	۳۸
۳۷	لمحہ فکریہ	۳۹
۳۸	ہر عمل میں حضور ﷺ کا اتباع ضروری ہے	۳۹

وعظ

ضرورت الاعتنأ بالدین

(دین کے اہتمام کی ضرورت)

یہ وعظ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ کو تقریباً دو گھنٹے ہوا اس وعظ میں اہتمام دین کی ضرورت کو بیان کیا گیا ہے مولوی سعید احمد تھانویؒ نے اسے ضبط فرمایا سامعین کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهده اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا الٰه الا اللّٰہ وحده لا شریك له ونشهد ان سیدنا و مولٰنا محمدًا عبده ورسولهٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم اما بعد ! فقد قال اللّٰہ تبارك و تعالی: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾(۱)

''اے رب ہمارے! اور بھیجئے ان میں ایک رسول جو انہیں میں سے ہو۔ پڑھے ان پر آیتیں آپ کی اور سکھاوے ان کو کتاب آپ کی اور حکمت اور پاک کرے ان کو آپ قدرت والے ہیں حکمت والے ہیں''۔

اولاد کے لئے دعا

یہ ایک آیت ہے جس کے نظائر قرآن میں اور بھی ہیں یعنی دوسرے مقامات پر بھی یہ مضمون قرآن میں آیا ہے۔ اس مقام پر یہ مضمون حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنائے کعبہ کے وقت جو دعائیں ان دونوں صاحبوں نے کی ہیں ان میں ایک دعا یہ بھی ہے کہ جس کا نفع(۲) ان کی اولاد کو پہنچا۔ ان حضرات نے اول اپنے لئے دعا کی اس کے بعد اپنی اولاد کے لئے دعا کی منجملہ دعا للاولاد(۳) کے یہ بھی ہے۔ حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

(۱) سورۃ البقرہ: ۱۲۹ (۲) فائدہ (۳) اولاد کے لئے دعا کرنے کے برابر یہ بھی ہے۔

وحضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی اولاد کو ایک دینی نفع پہنچایا اس دعا کے طرز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امرِ اصلی قابلِ التفات(۱) نفع دینی ہے اور نفع دنیوی اس کے تابع اور اس کے ساتھ ملحق ہے۔ ہم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سبق لینا چاہئیے کہ انہوں نے جہاں اپنی اولاد کے لئے نفع دنیاوی کی دعا کی کہ ﴿وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اُن کی اولاد میں جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اس کو پھلوں سے رزق پہنچائے'' وہاں اس دینی نفع کی بھی دعا کی کہ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ﴾ الخ تو نفع دنیاوی کے لئے دعا کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ضروری ہے اور ظاہر بھی ہے کہ اگر دنیا کا نفع نہ ہو تو دنیا میں بہت کم طبیعتیں ایسی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ پس اپنے رزق کی وسعت کے لئے اپنی صحت کے لئے بھی خدا تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہہ

اور یہ ہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک صحابی کو دیکھا کہ بہت لاغر ہو رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے کچھ دعا تو نہیں کر لی؟ کہنے لگے کہ ہاں دعا تو کی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا دعا کی تھی؟ کہنے لگے کہ یہ دعا کی تھی کہ جو کچھ عذاب ہونا ہو دنیا ہی میں ہو جاوے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متنبہ فرمایا۔ تو یہ غلطی کی بات ہے کیونکہ انسان ضعیف ہے اور احتیاج اُس کے خمیر میں ہے۔

---

(۱) توجہ کے قابل دینی فائدہ کا خیال ہے۔

انسان دنیا و آخرت دونوں کا محتاج ہے

ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے لئے دس روپے کا انتظام کر دیجئے کیونکہ مجھے سخت ضرورت ہے اس کے بعد ادھر اُدھر کا تذکرہ کر کے فقیری کا دم بھرنے لگے کہ جنت کی کیا پرواہ ہے اور دوزخ کا کیا ڈر ہے، میں نے کہا میاں بیٹھو تم سے دس روپے سے تو صبر ہو نہیں سکا جنت سے کیا صبر کر سکو گے، اگر ایسے مستغنی تھے تو دس روپے ہی سے صبر کر لیا ہوتا۔ تو واقعی ایسا انسان محتاج ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کی اس کو ضرورت ہے اور آخرت کا دنیا سے زیادہ محتاج ہے۔

اولاد کی دینی تربیت کا اہتمام

اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے جیسے دنیا کے لئے دعا کی ایسے ہی آخرت کے لئے بھی دعا کی تو گویا ہم کو سبق سکھلاتے ہیں اور اولاد عام ہے خواہ اولاد حقیقی ہو یا مذہبی بلکہ اولاد حقیقی بھی جب اولاد ہوتی ہے کہ اتباع کرے چنانچہ ارشاد ہے مَنْ سَلَكَ طَرِيْقِيْ فَهُوَ الِيْ "جو میرے طریقے پر چلا وہ میری اولاد ہے" گو بعض لوگوں نے "مَنْ سَلَكَ طَرِيْقِي" کو عام لیا ہے کہ جو شخص بھی متبع ہو وہ آل میں (۱) داخل ہے خواہ نسبًا آل ہو یا نہ ہو (۲) مگر میرے خیال میں اتنا عام نہیں بلکہ صرف آل کو عام ہے پس مطلب یہ ہے کہ اولاد نسبی میں معتد بہ آل (۳) وہ ہے کہ اتباع کرے یعنی شرف تو صرف اولاد ہونے سے بھی ہوگا لیکن پورا شرف اُسی وقت ہوگا کہ جب اتباع ہو، تو مَنْ سَلَكَ آل ہی کے لئے ہے (۴) مگر آل ہی میں ایک قید معتبر ہے کہ معتد بہ درجہ میں شرف اُسی وقت ہوگا، بہر حال انبیاءؑ کی اولاد بھی وہی

---

(۱) اولاد میں داخل ہے (۲) خواہ نسبی اولاد ہو یا نہ ہو (۳) اولاد کہلانے کے لائق (۴) جو میرے طریقے پر چلا یہ حقیقی اولاد ہی کے بارے میں ہے کہ اگر اولاد میرے طریقے پر چلے گی تو اولاد کہلانے کی مستحق ہوگی ورنہ نہیں۔

مقبول ہے کہ جو متابعت رکھتی ہو۔ ورنہ ایسا ہے جیسے غلط لکھا ہوا قرآن کہ اُس کا نہ ادب ہے نہ بے ادبی' ادب تو اس لئے نہیں کہ وہ صحیح قرآن نہیں ہے اور بے ادبی اس لئے نہیں کی جائے گی کہ کچھ تو قرآن کے اجزاء ہیں تو انبیاءؑ کی زیادہ نظر اس پر ہے کہ دین کا نفع ہو اور آل ہو تو ایسی ہو کہ وہ ان کے قدم بقدم ہو۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذرّیت کے لئے یہ دعا کی اور اس سے گویا ہم کو یہ سبق سکھلایا کہ اپنی اولاد کے لئے دنیا سے زیادہ اہتمام دین کا کرنا چاہئیے۔ اب ہم کو سبق لینا چاہئیے اور دیکھنا چاہئیے کہ ہم کہاں تک اپنی اولاد کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ لوگ اپنی اولاد کے حقوق ادا نہیں کرتے لیکن یہ ضرور ہے کہ زیادہ توجہ محض دنیا پر ہے اس کی زیادہ کوشش ہوتی ہے کہ اولاد چار پیسے کمانے کے قابل ہو جاوے اور جب اس قابل بنا دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے حقوقِ واجبہ ادا کر چکے آگے اپنی اصلاح یہ خود کر لیں گے اور وجہ اس کی زیادہ تر یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے دین کی وقعت بالکل نکل گئی ہے اس لئے ہمہ تن دنیا پر جھک پڑے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو عقلِ معاش بھی کامل ہوتی ہے

اور اگر کسی کو یہ شبہہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی ضرورتوں کی خبر نہ تھی اس لئے ان کو دنیا کی طرف توجہ نہیں ہوئی تو عقل اور نقل دونوں اس شبہہ کی تکذیب (۱) کر رہی ہیں۔ نقل تو یہ ہی سابق دعا (۲) جو اپنی اولاد کے لئے انہوں نے فرمائی ﴿وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ (۳) اور عقل اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حق سبحانہ وتعالیٰ کے نائب ہیں اور جیسے حق سبحانہٗ وتعالیٰ معاش

(۱) اس شبہہ کو جھٹلا رہی ہیں (۲) یہی دعا ہے جو پیچھے ذکر کی گئی (۳) اور ان کی اولاد میں پھلوں سے رزق دیجئے۔

اور معاد(۱) دونوں کی تربیت فرماتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ کے نائب بھی دونوں کی تربیت فرماتے ہیں کیونکہ ان حضرات کو اصلاح کیلئے بھیجا جاتا ہے اور اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ معاش اور معاد دونوں کی اصلاح نہ کی جاوے نیز تاریخ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کو عقلِ معاش بھی کامل ہوتی ہے۔

علماء پر دنیا سے بے خبری کا مہمل اعتراض

مگر لوگ اس میں غلطی کرتے ہیں عقل معاش ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ نوکریوں اور صنعتوں کے طریقے بتلادیں لوگ یہ ہی سمجھ کر بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا سے بے خبر ہیں۔ باوجودیکہ دنیا کی ضرورت یقینی ہے مگر یہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ صاحبو یہ تسلیم ہے کہ دنیا کی ضرورت ہے لیکن اول تو یہ غور کیجئے کہ ضرورت کس کو کہتے ہیں دوسرے معاش کے طریقے بتلانا اور اس پر ترغیب دینا یہ علماء کا کام نہیں ہے۔ دیکھو حکیم عبدالعزیز اور حکیم عبدالمجید اپنے فن کے ماہر تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ وہ امراض کی تشخیص کریں اب فرض کرو کہ ایک مریض ان کے پاس آیا حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر تپ دق تجویز کی اور اس کے لئے نسخہ لکھدیا جب وہ نسخہ لے کر چلا تو رستے میں ایک موچی ملا اور اس مریض کی کیفیت دریافت کی اس نے کہا کہ حکیم صاحب نے تپ کہنہ(۲) تجویز کیا ہے کہنے لگا کہ حکیم صاحب نے جوتے کے متعلق کچھ کہا اس نے کہا کہ جوتے کے متعلق تو کچھ نہیں کہا کہنے لگا کہ وہ حکیم نہیں ہے ان کو اتنی ضرورت کی تو اطلاع نہیں یہ نہ دیکھا کہ ایک شخص جوتے لئے بیٹھا ہے اور یہ ننگے پیر ہے آخر اس کو جوتا پہننا

(۱) دنیا وآخرت دونوں کی تربیت فرماتے ہیں (۲) پرانا بخار۔

چاہیئے یا نہیں؟ اب میں پوچھتا ہوں کہ اس موچی کی نسبت آپ کیا فتویٰ دیں گے کیا اس کو عقلاء میں شمار کیا جاوے گا ہرگز نہیں بلکہ پاگل کہا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ اس نے طبابت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور اس کے فرائضِ منصبی پر اس کو اطلاع نہیں۔ البتہ حکیم پر اس وقت الزام تھا کہ وہ نسخے کے اندر بلاوجہ یہ کہہ دیتے کہ جوتا نہ پہننا اور جب کہ وہ اس سے سکوت کرتے ہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں وہ اپنے فرضِ منصبی کو ادا کر چکے۔ تو علماء پر دنیا کی ترغیب نہ دینے کا الزام اس وقت ہوسکتا تھا کہ جب ان کا فرضِ منصبی ترغیب دینا ہوتا یا وہ دنیا حاصل کرنے اور ادھر متوجہ ہونے سے روکتے۔

علماء کا طلبِ دنیا سے روکنا بے وجہ نہیں

اور اگر کہیئے کہ علماء تو روکتے ہیں تو میں کہوں گا کہ یہ روکنا بلاوجہ نہیں اس روکنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حکیم عبدالمجید کسی کو دیکھیں کہ اس نے اس طرح جوتی سلوائی کہ ٹانکے کھال کے اندر سے نکالے گئے ہیں تو وہ اس طرح سے جوتا سلوانے کو ضرور روکیں گے کہ زخم کی سمّیت (۱) تمام بدن میں دوڑ جانے کا احتمال ہے آپ لوگ بھی دنیا کی جوتیاں اس طرح سلوا رہے ہیں کہ آپ کا دین برباد ہو رہا ہے لہذا اب ان پر فرض ہے کہ وہ آپ کو منع کریں تو یہ منع کرنا بے وجہ نہ ہوا۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہست　　اگر خاموش بنشینم گناہست

''اگر نابینا کے سامنے کنواں دیکھ کر بیٹھ رہوں تو گناہ ہے''

---

(۱) زخم کا زہر

انبیاءِ کرام کا کام

غرض علماء کی نسبت یہ تجویز کرنا کہ وہ دنیا کی ترغیب دیں غلط ہے اور مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ سلف کو اپنی طرح معاش و معاد کا جامع سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے بتلایئے کسی نبی نے کسی رفارمر نے کہیں دنیا کے حاصل کرنے کے طریقے لکھے ہیں ایک جگہ بھی نہیں' البتہ اخلاق اعمال معاشرت پر گفتگو ہے۔ یہ کسی نے نہیں بتلایا کہ یوں ہل چلتا ہے اور اس طرح بویا جاتا ہے انبیاءؑ اور سلف کا یہ کام نہ تھا۔ ہاں معاش کا وہ حصہ جو مضر معاد ہو اس کو بتا کر منع فرمادیا ہے اور اس میں گفتگو کرنا ایسا ہے جیسے طبیب کسی مریض کو گوشت کھانے سے منع کرے تو حکیم کا کام بحالتِ ضرر منع (۱) کرنے کا تو ہے لیکن گوشت کے پکانے کا طریقہ بتلانا یہ حکیم کا کام نہیں پس معاش کے متعلق انبیاءؑ کی جو گفتگو ہے وہ یہ ہے کہ نافع کو مجملاً بتلادیا اور مضر کو منع کردیا۔ (۲)

طلبِ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا ذوق

غرض انبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کے لئے اس کی رعایت کی ہے کہ دینی نفع ان کو زیادہ پہنچے اور دنیاوی نفع کے واسطے جو رعایت رکھی ہے اس سے ان حضرات کا مذاق معلوم ہوتا ہے ابراہیم علیہم السلام فرماتے ہیں ﴿مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اے اللہ! میرے اہل بلد کو ثمرات دے مگر سب کو نہیں بلکہ اہل ایمان کو تو فرمانبردار اولاد کے لئے دعا کی اس سے اندازہ کیجئے کہ ان کی نظر میں دین کس قدر عزیز ہے کہ باغی کے لئے دعا بھی گوارا نہیں اگرچہ خدا تعالیٰ نے

(۱) نقصان کے وقت منع کرنا (۲) فائدے کی چیز کو اجمالاً بتادیا نقصان دہ کو منع کردیا۔

تخصیص نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا﴾ ''جس نے کفر کیا اسے تھوڑا نفع پہنچاؤں گا'' یعنی کچھ دنوں کے لئے دنیا میں کفار کو بھی عیش دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو عام فرمایا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوجہ کفار کے باغی ہونے کے ان کے لئے دعا نہیں فرمائی اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ یہی اہل اللہ کا ذوق ہے اور ہونا چاہئیے کہ باغیوں پر کچھ رحم نہ کریں نہ ان کے لئے دعا کریں اور خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرما کر چونکہ کفار کے لئے دعا کرنے کا حکم نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ذوق مقبول ہے تو یہ ہی مذاق ہونا چاہئیے کہ مطیعین کے لئے دعا کریں اور باغیوں کو خدا کے سپرد کریں' خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

ایک مشترکہ مرض

مقصود یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی ہے اس کا مضمون قابلِ غور ہے اور اس وقت اس کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔ چونکہ ہم میں اس وقت ایک بہت بڑا مرض ہے کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے وہی اصلی مرض پیدا ہوگیا ہے یعنی قلتِ اہتمامِ دین(۱) اور یہ وہ مرض ہے کہ اس کی بدولت آج ہم مسلمان کہلانے کے قابل نہیں رہے اس کی بدولت اکثر حصہ دین کا ہم سے نکل گیا دیکھو مالدار وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس کافی سے بھی کچھ زیادہ مال ہو اور جس کے پاس دو چار پیسے ہوں وہ مالدار نہیں کہلاتا ورنہ چاہئیے کہ ساری دنیا مالدار کہلانے لگے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دو قسمیں کہی جاتی ہیں ایک غریب ایک امیر تو جیسے مالدار وہ شخص ہے جس کے پاس وافر روپیہ ہو اس طرح ایماندار بھی وہی ہے جو عقائد اور اعمال وغیرہ میں پوری طرح شریعت کا متبع ہو۔

(۱) ہم لوگوں میں دین حاصل کرنے کا اہتمام نہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

اور یہ ایمان کچھ ایمان نہیں جس کو اکثر لوگوں نے ''مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ '' سے سمجھ رکھا ہے اگرچہ یہ کلمہ واقع میں صحیح ہے لیکن اس وقت اس کو پیش کر کے جو مقصود ثابت کیا جاتا ہے اس کے اعتبار سے ''کَلِمَۃَ حَقٍّ اُرِیْدَ بِہِ الْبَاطِلُ ''(۱) کہا جاسکتا ہے تو پہلی غلطی تو یہ ہے کہ اعمال کو نا قابل شمار سمجھتے ہیں دوسرے یہ کہ خود ایمان کے کلمہ میں بھی اختصار کیا ہے یعنی اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کی بھی ضرورت نہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ میں نے خود یہ تقریریں چھپی ہوئی دیکھی ہیں کہ رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے' مجھ سے ایک سفر میں اس کے متعلق ایک صاحب نے دریافت کیا کہ وہ بھی اس مرض میں مبتلا تھے میں نے کہا آپ یہ بتلایئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یٰسین پڑھتا ہوں تو اس یٰسین پڑھنے کے کیا معنی ہیں آیا یہ کہ صرف یہ کلمہ پڑھتا ہوں یٰسین یٰسین یا یہ کہ ساری سورت پڑھتا ہوں؟ کہنے لگے کہ یٰسین پڑھنے کے معنی تو ساری سورت پڑھنے کے ہیں' میں نے کہا کہ اسی طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے کے معنی سارا کلمہ پڑھنے کے ہیں دلالت کے لئے صرف ایک جز کا اطلاق کافی ہے دوسرے جز پر بوجہ ملازمت (۲) خود دلالت ہوجائے گی ان لوگوں کے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے کے معنی سمجھنے پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا ریاست رامپور سے ایک طالب علم نے میرے پاس خط بھیجا کہ مجھ کو فلاں تردّد ہے اس کے لئے کوئی دعا بتلا دیجئے میں نے کہا لاحول پڑھا کرو چند روز کے بعد وہ مجھ سے ملے اور پھر شکایت کی میں نے

(۱) ''بات تو ٹھیک ہے لیکن اس سے باطل کا قصد کیا جاوے'' (۲) دوسرا جز چونکہ اس کے ساتھ لازم ہے لہٰذا وہ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔

پوچھا اس سے قبل میں نے کیا بتلایا تھا کہنے لگے کہ لاحول پڑھنے کو بتلایا تھا سو میں پڑھتا ہوں اتفاقاً میں نے یہ سوال کیا کہ کس طرح پڑھا کرتے ہو کہنے لگے یوں کہا کرتا ہوں ''لاحول لاحول لاحول لاحول ''وہلم جرًا(۱) تو جیسے یہ بزرگ لاحول پڑھنے کے یہ معنی سمجھے کہ صرف لفظ لاحول کو پڑھ لیا جائے حالانکہ لاحول اس پورے کلمہ کا لقب ہے(۲) اسی طرح ان لوگوں نے بھی لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ سے صرف یہ ہی جملہ سمجھا حالانکہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ سے وہی مراد ہے جس کے ساتھ مُحَمّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ بھی ہو لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہوسکتا نیز دوسرے دلائل پر بھی تو نظر ہونی چاہیئے مشکوٰۃ میں ''کتاب الایمان'' کی پہلی حدیث میں ہے ''شَھَادَۃُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ'' تو اس انہاک فی الدنیا کے سبب سے اس قسم کی غلطیاں کررہے ہیں۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ دین کی طرف توجہ کریں اور علومِ دینیہ حاصل کریں۔

رسالت کا منکر خدا کا منکر ہے

اسی خیال کے ایک اور صاحب مجھے ملے کہنے لگے کہ رسالت کے اقرار کی ضرورت نہیں ہے صرف توحید کا اقرار نجات کے لئے کافی ہے میں نے کہا کہ اول تو دلائل عقلیہ و نقلیہ جو رسالت کے ضروری ہونے پر قائم ہیں وہ تمہاری مُکَذّب(۳) ہیں۔ دوسرے رسالت کا انکار کرنے سے خدا تعالیٰ کی خدائی کا بھی انکار ہوجاتا ہے۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کے ماننے کے یہ معنی نہیں کہ ان کو صرف موجود مان لیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کو کمالِ ذات و صفات میں یکتا سمجھے کیونکہ یہ

(۱) اور صرف اتنا کلمہ ہی پڑھ کر سنا دیا کہ اس طرح پڑھتا ہوں (۲) ''لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم'' اس پورے کلمہ کا لقب ''لاحول'' پڑھنا ہے (۳) تمہاری بات کو جھٹلاتے ہیں۔

مسئلہ اجماعیّہ ہے کہ اگر ذات کا قائل ہو لیکن صفات کا قائل نہ ہو تو وہ کافر ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کو بادشاہ تو مانے لیکن اس کے اختیارات شاہی نہ مانے تو کیا ایسے شخص کی نسبت یہ کہا جاوے گا کہ اس نے بادشاہ کو مانا؟ کبھی نہیں، تو خدا تعالیٰ کے ماننے اور توحید کے مقرر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہر صفتِ کمال کے ساتھ علی وجہ الکمال اتصاف سمجھے' کہنے لگے کہ بیشک یہ تو ضروری ہے میں نے کہا کہ صفاتِ کمال میں سے ایک صفت صدق بھی ہے اس کے ساتھ بھی متصف ماننا ضروری ہوگا' کہنے لگے کہاں ضروری ہوگا؟ میں نے کہا کہ قرآن شریف میں موجود ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ (۱) پس اس کا ماننا ضروری ہوا اور جو اس کو نہ مانے گا وہ موّحد بھی نہ ہوگا کیونکہ اُس نے خدا تعالیٰ کے صدق (۲) کو نہ مانا جس کا ماننا ضروری تھا اور میں نے کہا کہ دس برس کی مہلت جواب کے لئے دیتا ہوں۔ یہ تو عقائد میں اختصار تھا جس کی مثالیں آپ نے سن لیں۔ اسی طرح اعمال میں بھی اختصار کرلیا ہے کہ بعض تو اعمال کی فرضیت ہی کے منکر ہوگئے اور بعض منکر تو نہیں مگر عملاً مثل منکرین کے ہیں تو ان دونوں قسم کے لوگوں کی غلطی قرآن کی آیات سے ثابت ہوتی ہے۔

حدیث کا مطلب

رہا'' مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ'' سو اس کے معنی کے لئے ایک مثال عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح کرے تو نکاح میں محض ایجاب وقبول دو لفظ ہوتے ہیں پس اگر اس ایجاب وقبول کے بعد بیوی اپنے خوردونوش (۳) کے لئے طلب کرے اور شوہر کہے کہ میں نے ان چیزوں کا دینا

(۱) سورۃ الفتح: ۲۹ (۲) سچائی (۳) کھانے پینے کو دو۔

قبول نہیں کیا تھا تو وہ کیا جواب دیگی ظاہر ہے کہ یہی جواب دیگی کہ اگر چہ تم نے ہر ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ قبول نہیں کیا لیکن میرا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے۔ اب معترضین سے پوچھتا ہوں اگر آپ بھی اس مجلسِ گفتگو میں موجود ہوں تو کیا کہیں گے؟ کہ یہ ایک قبول ہی سب کا قائم مقام ہے تو جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیا تو سارے عقائد اور اعمال کا ذمہ لے لیا تو اس حدیث کا یہ مدلول ہے اب چاہے ایمان کو جزوِ اعمال کہا جائے یا اس سے خارج مگر لازم' لیکن ایمان میں اختصار سخت غلطی ہے ایمان جب ہی کہلائے گا کہ جب اس کی شان پائی جائے۔ ہم لوگ مسلم کہلاتے ہیں مگر غور کرنے کے قابل یہ ہے کہ ہماری حالت اسلام سے کس قدر قریب اور اس کے کتنی مناسب ہے۔ جیسے میں نے مثال دی ہے کہ مالدار اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس ہر قسم کا سامان ضرورت سے زیادہ ہو یہ ہی حالت اسلام کی ہے تو ہم کو اپنی حالت دیکھنی چاہئیے کہ کس قدر بے اعتنائی ہوگئی ہے کہ نہ عقائد کی پرواہ نہ اعمال کی فکر نہ حسنِ معاشرت کا خیال نہ بداخلاقی پر رنج۔

دعاءِ ابراہیمی کا مصداق

یہ حالتِ موجودہ دیکھ کر اس وقت یہ آیت تلاوت کی گئی ہے۔ اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کو نقل کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مدت سے تجویز شدہ بھی ہے اگر چہ اس کی ضرورت نہ تھی لیکن اس وقت مذاق کچھ ایسا بدل گیا ہے کہ اپنی شریعت میں خواہ کسی امر کی کتنی بھی تحسین کی گئی ہو لیکن اس وقت اس کو نہیں مانا جاتا جب تک کہ گذشتہ تاریخ میں بھی اس کی کوئی نظیر نہ ہو اس لئے میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کر دیا۔ سو دیکھ لیجئے کہ دعاءِ ابراہیمی میں کن کن اجزاءِ ایمان کو ضروری کہا گیا ہے فرماتے ہیں کہ ''اے اللہ! ہماری اولاد میں ایک

رسول بھیجئے جن کی یہ صفت ہو کہ ان لوگوں کو آپ کے احکام سنادیں اور یہ شان ہو کہ ان کو کتاب اور حکمت تعلیم کریں اور ان کا تزکیہ کریں رزائل سے بیشک آپ قادر ہیں اور حکیم ہیں کہ موافق حکمت کے کرتے ہیں اور ایسا کرنا مصلحت ہے۔ تو آپ اس کو ضرور قبول فرمائیں گے'' اس آیت کے ترجمے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ رسول کی تین صفتیں اس آیت میں بیان کی گئی ہیں اور ان رسول سے مراد ہمارے حضور انور ﷺ ہیں اس لئے کہ داعی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ السلام ہیں لہذا ضرور ہے کہ یہ رسول ان دونوں حضرات کی اولاد میں ہونا چاہیئے اور ہر چند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضور ﷺ کے علاوہ بھی متعدد انبیاءؑ ہوئے مگر وہ بسلسلۂ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ہوئے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سلسلے میں صرف ہمارے حضور ﷺ ہی ہیں لہذا آپ ہی مراد ہوئے۔

تعلیم بواسطہ تعلیم بلا واسطہ سے افضل ہے

اور دعا کے درمیان میں بعثتِ رسول کی دعا کرنا ایک بڑی رحمتِ کاملہ کا مانگنا ہے ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یوں کہتے ان کو پاک کیجئے اور ان کو کتاب دیجئے اور ان کو قبول کیجئے لیکن تعلیم بواسطۂ وحی اس تعلیم سے افضل ہے جو کہ بلاواسطہ وحی کے بذریعہ الہام کے ہو اگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم بلاواسطہ زیادہ قرب کا ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے اکثر عوام اور بعض خواص کی یہی رائے قائم ہوگئی ہے اور یہاں تک اس کا اثر ہوا ہے کہ انبیاءؑ کی تعلیم کی وہ قدر نہیں کی جاتی جس قدر کسی بزرگ کی تعلیم کی قدر ہوتی ہے۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور اپنی عُسرت اور قرض کو بیان کیا اور کہا کہ کوئی دعا بتلادیجئے کہ قرض ادا ہوجائے مولانا نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو (اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ

وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ)''اے اللہ مجھے حلال کو کافی فرمادے اور اپنے فضل سے سوال سے زیادہ عطا فرما'' اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ یہ حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ حدیث کا نام سن کر اس شخص کی یہ کیفیت ہوئی کہ جیسے سرد پڑ گیا اور کہنے لگا کہ حدیث میں تو بہت سی دعائیں ہیں آپ اپنے پاس سے کوئی چیز بتلایئے جو سینہ بسینہ چلی آتی ہو۔ یہ فاسقانہ کلمہ سنکر مولانا کو بہت ہی غصہ آیا اور فرمایا کہ تو حضور ﷺ کی تعلیم پر دوسروں کی تعلیم کو ترجیح دیتا ہے' تو یہ اسی خیال کا اثر ہے جس کے باعث حضور ﷺ کی تعلیم پر کفایت نہ ہوئی آپ نے دیکھا ہوگا کہ جاہل عابد جس شوق سے وظیفہ یا نفلیں پیر کی بتلائی ہوئی پڑھتے ہیں قرآن شریف اور پانچ وقت کی نماز اس شوق سے نہیں پڑھتے۔ ایک شخص نے مجھ سے فخراً کہا اگرچہ کسی وقت کی نماز قضا ہوجائے لیکن پیر کا بتلایا ہوا وظیفہ کبھی قضا نہیں ہوتا اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ سے اس قدر تعلق نہیں ہے جس قدر کہ پیر سے ہے اگرچہ یہ ضرور ہے اگر پیر سے تعلق نہ ہو تو حضور ﷺ سے بھی کم تعلق ہوگا لیکن یہ تو نہیں ہوسکتا کہ حضور ﷺ کے متعلق سے بھی بڑھ جائے۔

ع　گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

''اگر فرق مراتب نہ کروگے تو زندیقی ہو''

غرض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ الہام بلاواسطہ ہے اور وحی بواسطہ ہے تو جس میں واسطہ کم ہوگا اس میں زیادہ قرب ہوگا مگر شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ تعلیم بواسطہ تعلیم بلاواسطہ سے زیادہ افضل ہے وجہ یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ تعلیم بواسطہ میں واسطہ کس کا ہے اگر واسطہ کسی معمولی شخص کا ہو تو بیشک بلاواسطہ تعلیم افضل ہے لیکن جبکہ حضور ﷺ کا واسطہ ہے تو اتنے بڑے واسطہ کے ذریعے سے جو تعلیم ہوگی وہ افضل ہوگی اور راز اس میں یہ ہے کہ جو علم بلاواسطہ وحی کے ہے اس میں غلطی کا احتمال بوجہ

نقصان استعداد کے زیادہ ہے اور بواسطۂ وحی تعلیم میں غلطی کا احتمال نہیں ہے رہا حضور ﷺ ہم تک پہنچنے کا واسطہ سو اس میں چونکہ ثقات(۱) ہیں ان میں غلطی کا احتمال نہیں ہے ایک تو یہ تفاوت ہے۔

حضور ﷺ کے واسطے سے تعلیم کا فائدہ

دوسرے ایک لطیف تفاوت ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ کو خدا تعالیٰ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے تو جو تعلیم حضور ﷺ کے واسطے سے ہوگی اس میں ابتلاء (۲) کا احتمال نہیں ہوگا برخلاف بلاواسطہ کے کہ اس میں احتمال ابتلاء کا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ اس کو فرمارہے ہیں کہ شراب پی اس نے علماء سے کہا انہوں نے کہا کہ شراب حرام ہے تجھ کو خواب پورا یاد نہیں رہا میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ شراب سے مراد محبت الٰہی ہو تو دیکھئے چونکہ بلاواسطہ یہ تعلیم تھی اس میں ابتلاء ہوا کہ دیکھئے یہ سمجھتا ہے یا نہیں اور حضور ﷺ کے ذریعہ سے جو علوم ہوتے ہیں ان میں یہ بات نہیں ہوتی۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت

یہ ہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کو جو شخص خواب میں دیکھے تو اس میں یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ یہ شیطان ہوگا کیونکہ آپ ﷺ کی شان محض ہدایت کی ہے لہذا اس میں یہ اختلاط (۳) نہیں ہوسکتا بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان خواب میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نبی ﷺ ہوں وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ حکمتِ ابتلاء کے لئے صفتِ مضل کے ساتھ بھی متصف (۴) ہیں دوسرے اول

(۱) کیونکہ حضور ﷺ کی تعلیمات قابل اعتماد بزرگوں کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں اس لئے ان میں غلطی کا احتمال نہیں (۲) آزمائش کا اندیشہ نہیں ہوگا (۳) آمیزش (۴) اللہ کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ جس کو چاہے گمراہ کرے۔

صورت میں متنبہ ہوجانا ممکن ہے کیونکہ کہ خدا تعالیٰ منزہ ہے اور جس کو خواب میں دیکھا منزہ نہیں اور دوسرے میں ممکن نہ تھا اس لئے آپ کے واسطے کو تمام خطرات سے محفوظ رکھا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا واسطہ ایک بڑی نعمت ہے۔

بواسطہ نبی تعلیم میں حکمت

لہذا ابراہیم علیہ السلام نے بجائے کتاب وغیرہ براہ راست مانگنے کے حضور ﷺ کو واسطہ قرار دیا نیز اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت اس پر محمول ہے کہ اپنے بنی نوع کو دیکھ کر اقتدا کرتے ہیں یعنی ان کو ایک نمونے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ہی فرق ہے اس میں اور جانور میں کہ جانوروں کو ضروریات کی تعلیم کی حاجت نہیں غرض جانوروں میں جو کچھ کمالات ہیں وہ سب طبعی ہیں اکتسابی نہیں ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ بطخ کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنے لگتا ہے اور ایک بڑے بڑے تیراک شخص کا بچہ تیراک نہ ہوگا کیونکہ کمالات انسان کے طبعی نہیں بلکہ ان کو ایک نمونہ دیکھنے کی ضرورت ہے اور ضرورتِ نمونہ ہی باعث ہے کہ انسان کو تعلیم کتب سے بھی اس قدر نفع نہیں ہوتا جس قدر کاملین کی صحبت سے ہوتا ہے یہ ایسی چیز ہے کہ ہر شخص کو اس کی ضرورت ہے۔

نیک صحبت کی ضرورت

اکثر لوگ اپنی اولاد کے لئے تمام آسائشوں کی فکر کرتے ہیں مگر اس کی ذرا پروا نہیں کرتے کہ صحبت بھی نیک ہو بلکہ اکثر بداخلاق معلّموں کے سپرد کردیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگرچہ یہ ناقص ہیں لیکن ابھی بچپن ہے کیا حرج ہے حالانکہ یہ

تجربہ ہے کہ اگر مبادی(۱) خراب ہوں تو مقاصد بھی خراب ہوتے ہیں یاد رکھو کہ خاک از تودۂ کلاں بردار(۲) یہ ضرور ہے کہ اگر کامل سے سیکھے گا تو کامل نہ ہوجائے گا لیکن ذی استعداد ہوجائے گا کیونکہ کامل آدمی فن کی حقیقت کو ظاہر کردیتا ہے بخلاف ناقص کے اور یہ تو علمی ضرر ہے جس پر کم وبیش توجہ بھی ہے مگر بڑا ضرر یہ ہے کہ ناقص کی صحبت میں اخلاق بالکل برباد ہوتے ہیں اس پر لوگوں کو ذرا توجہ نہیں۔ ہمارے ہاں ایک معلّم ہیں ان کی نسبت سنا گیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو دوسرے معلّم کے ہاں بھیجتے ہیں کہ جاکر اُس کے مکتب کی چٹائیاں توڑ ڈالیں؛ بتلایئے جب بچپن ہی سے یہ حالت ہوگی تو بڑے ہوکر ان کی کیا اصلاح ہوگی مگر اس پر بالکل خیال نہیں بلکہ اکثر کہتے ہیں کہ بچہ وہی ہے جو کہ شوخ ہو حالانکہ شوخی دوسری چیز ہے اور شرارت دوسری چیز ہے۔

صحبت کا اثر

غرض انسان اپنے ابنائے نوع سے سبق لیتا ہے جو حالت دوسرے کی دیکھتا ہے وہی خود اختیار کرتا ہے مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنے گھر کے لوگوں کو علاج کرانے کے لئے ایک طبیب کے پاس لے گیا ان کو میں نے دیکھا کہ بے حد متحمل تھے باوجود یکہ بے حد نازک مزاج تھے تو میں چونکہ ان کے پاس جاتا تھا اس لئے میرا غصہ کم ہوگیا تھا میں نے غور کرکے دیکھا تو معلوم ہوا کہ محض پاس بیٹھنے کا اثر ہے؛ تو بہت اچھا طریقہ تربیت کا صحبت ہے۔ اب لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنی عمر کو پہنچ کر خود ہی سنبھل جائیں گے یہ غلط ہے بلکہ جب بچہ بولنے پر بھی قادر نہیں ہوتا اسی وقت سے اُس کے دماغ میں دوسروں کی تمام حرکات منقش ہوتی ہیں اور وہ ان سے متاثر ہوتا ہے اسی واسطے حکماء نے لکھا ہے کہ بچہ کے سامنے کوئی حرکت خلافِ

(۱) جس کی ابتداء ہی اچھی نہ ہو اس کی انتہا ٹھیک نہیں ہوگی (۲) اگر دین کی طلب ہو تو کسی کامل درویش کا دامن تھاموا ور اس سے اکتساب فیض کرو ع ''حدیث دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ''

تہذیب نہ کرنی چاہئیے۔ راز اس میں یہ ہی ہے انسان کے دماغ کی مثال پریس کی سی ہے کہ کاپی لکھ کر جب لگاؤ تو چھپ جائے گا اسی طرح جو چیز دماغِ انسان کے رو برو ہوتی ہے وہ اس میں منقش ہوجاتی ہے اگرچہ اس وقت شعور نہیں ہوتا لیکن اس انتقاش(۱) کے لئے شعور کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم پریس میں انگریزی چھاپ لیں اور پھر انگریزی سیکھ لیں تو چند روز کے بعد ضرور پڑھ لیں گے علی ہذا بچہ اگرچہ اس وقت نہیں سمجھ سکتا لیکن بڑا ہوکر سمجھے گا چنانچہ ایک عاقل عورت نے یہ کہا ہے کہ پانچ چھ برس کے بعد بچہ قابل تربیت نہیں رہتا ہے بلکہ ہر حالت پختہ ہوجاتی ہے وہ کہتی تھی اگر پہلے بچے کو درست کردیں تو اس کے بعد کے سب بچے اسی سانچے میں ڈھل جائیں گے۔ غرض معلوم ہوا ہوگا کہ صحبت کا کیا اثر ہے۔

آپ ﷺ کی ذات گرامی ایک نمونہ ہے

تو جناب باری تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے یوں دعا کرائی کہ ان میں ایک پیغمبر بھیجے اور پھر آپ کو مبعوث فرمایا کہ آپ نمونہ ہوں سو بعض نے آپ کو دیکھا اور بعض نے آپ کی سیرت دیکھ کر آپ کی حالت معلوم کی اور اسی طرح آپ ہمارے بھی پیش نظر ہیں اور اس اعتبار سے اگر فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ عام لیا جائے تو درست ہوگا۔ واقعی آپ ﷺ کی سِیر کو دیکھ کر جس قدر آسانی سے ہم اتباع کرسکتے ہیں قوانینِ کلیہ کو دیکھ کر نہیں کرسکتے تھے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آپ ہمارے لئے نمونہ ہیں تو ہم سے یہ ہی باز پرس ہوگی کہ تم اس نمونے کے موافق بن کر کیوں نہیں آئے؟ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ہم کسی درزی سے اچکن سلوائیں اور نمونے کے لئے اپنی اچکن اس کو دیدیں تو اس اچکن دینے کے معنی یہ

(۱) اس نقش کے جمنے کے لئے احساس کی ضرورت نہیں۔

ہی ہوتے ہیں کہ جدید اچکن کی کاٹ تراش سلائی وغیرہ سب اس پہلے کے مطابق ہو اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ تراش وغیرہ میں فرق ہو جائے تو درزی کو مستحق عتاب سمجھا جاتا ہے اور اس عتاب کے جواب میں اگر وہ یہ کہنے لگے کہ زیادہ تر تو موافق نمونے کے ہے ''لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ ''(۱) تو ہرگز یہ جواب مسموع (۲) نہیں ہوتا تو جو برتاؤ آپ نے اس درزی سے کیا اُسی کے لئے آپ خدا تعالیٰ کے سامنے تیار ہو جایئے اور سوچ لیجئے کہ جب آپ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور نمونہ نبوی ﷺ پر پورے نہ اتریں گے تو کس سخت عتاب کے سزاوار ہوں گے' اسی کو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾(۳) ''تم میں اللہ کا رسول ﷺ تمہارے لئے نمونہ ہے کہ بالکل اس نمونے جیسے بن جاؤ'' نماز ایسی ہو جیسے حضور ﷺ کی تھی روزہ وہی ہو۔ نکاح شادی کا طرز وہی ہو وضع وہی ہو علی ہذا ہر چیز میں وہی طرز ہو جو کہ حضور ﷺ کا طرز تھا یہ تو نمونہ ہے۔

شبہہ کا جواب

لیکن یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے اس نمونے میں وسعت کر دی یہ ایک شبہہ کا جواب ہے یعنی آج کل اکثر لوگ کہتے ہیں کہ مولویوں نے اعتراض تو کر دیا کہ (مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ) ''جس شخص نے کسی قوم کی شکل وصورت بنائی وہ انہیں میں سے ہے'' مگر اب یہ بھی تو بتلائیں کہ حضور ﷺ کی ٹوپی کیسی تھی' کُرتہ کیسا تھا اور مقصود اس سے علماء کو خاموش کرنا ہوتا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے کہ جو چاہو پہنو نیز اس کی تائید میں ''در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش'' (۴)

---

(۱) اکثر کا حکم کُل کا ہی ہوتا ہے (۲) اس کی یہ بات ہرگز نہیں مانی جائیگی (۳) سورۃ الاحزاب:۲۱
(۴) عمل کا اہتمام کرلو پھر جو چاہے پہنو۔

بھی پیش کیا کرتے ہیں میں اس شبہہ کا جواب دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ وضع وہی ہونا ضروری ہے جو حضور ﷺ کی وضع تھی لیکن اس میں کچھ وسعت ہے شرح اس کی یہ ہے کہ ہمیشہ سلاطین میں یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ قوانین لباس میں وردی والوں کے لئے ما ذون فیہ کے افراد منہی عنہ کے افراد سے کم ہوتے ہیں(۱) مثلاً پولیس کو صرف ایک کی اجازت ہے کہ اس قسم کا لباس ہو اور منہی عنہ زیادہ ہیں کیونکہ اس کے سوا سب لباسوں کی ممانعت ہے چنانچہ اگر کسی وردی میں عمامہ نہ ہو تو وہ معتوب ہوگا کیونکہ وہ بھی وردی کا جزو ہے۔ اب ہمارے بھائی یہ چاہتے ہیں کہ قانونِ خداوندی بھی ایسا ہی تنگ ہو جائے کہ ایک ہی لباس اُس میں رہے یعنی خاص قسم کی ٹوپی اور خاص طرز کی ازار(۲) وغیرہ وغیرہ اور جب یہ بات نہیں ہے تو ان کے نزدیک ہر لباس جائز ہے تو صاحبو! وردی تو متعین ہے لیکن یہاں تعین کی یہ صورت ہے کہ مَنۡهِیٌ عَنۡهُ کم ہے اور مَا ذُوۡنَ فِیۡهِ زیادہ ہے یعنی جو لباس ناجائز قرار دیا گیا اس کو شمار کرادیا اور اس کے ماسوا سب جائز رکھا گیا۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ اگر یہ حکم ہوتا کہ ایک قبا ہو ایک کُرتہ ہو ایک عمامہ ہو تو جس شخص کے پاس اتنا کپڑا نہ ہوتا وہ کیا کرتا؟ آج کل بعض اسکولوں میں خاص وضع کی پابندی ہوگئی ہے لیکن یہ سخت مصیبت ہے اگر کوئی کہے کہ ہم تو بہت امیر ہیں تو میں کہوں گا کہ کیا قوم کو ان ہی افراد میں حصر کیا جائے گا۔ لوگ اس میں بھی سخت غلطی کر رہے ہیں کہ قوم کے افراد امراء کو سمجھتے ہیں حالانکہ غرباء شمار میں زیادہ ہیں تو قوم غرباء کا نام ہوگا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے گیہوں کا ڈھیر کہ اس میں جَو اور چنے بھی ہوتے ہیں مگر کثرت پر نظر کر کے اس ڈھیر کو گیہوں کا ڈھیر کہا جاتا ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ قومی ہمدرد وہ ہو سکتا ہے جو کہ غرباء کے ساتھ ہمدردی کرے اس زمانے

(۱) جن چیزوں کی اجازت ہوتی ہے وہ کم ہوتی ہیں جن سے روکا جاتا ہے وہ زیادہ ہوتی ہیں (۲) شلوار۔

میں جو لوگ اپنے کو اپنے منہ سے ہمدرد قوم کہتے ہیں وہ صرف امراء کے ساتھ ہمدرد ہیں نہ کہ غرباء کے ساتھ' حالانکہ جب تک غرباء کے ساتھ ہمدردی نہ ہو اس وقت تک قومی ہمدردی کا دعوٰی بالکل غلط دعوٰی ہے تو چونکہ یہ لوگ قوم کے معنی نہیں سمجھے اس لئے اپنی اس تجویز میں دقت اور تنگی ان کو محسوس نہیں ہوئی اور خدا تعالیٰ نے اسی پر نظر کر کے ماذونات کو زیادہ اور منہیات (۱) کو کم فرمایا کہ حریر (۲) نہ ہو زری نہ ہو ٹخنے ڈھکے نہ ہوں تشبہ نہ ہو علی ہذا اور ان کے ماسوا عام اجازت ہے کہ اَلْبِسْ مَا شِئْتَ (۳) تو وردی تو متعین ہوئی لیکن رحمت اور وسعت کے ساتھ لہذا وہ اعتراض کہ اگر تشبہ ناجائز ہے تو حضور ﷺ کا خاص لباس بتلانا چاہئیے مندفع (۴) ہو گیا' پس معلوم ہوا کہ ہم کو لباس میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ مشابہ ہونا ضروری ہے لیکن اس طرح کہ ان منہیات میں سے ہمارے بدن پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ پس جب ہمارے پاس یہ نمونہ موجود ہے تو خدا تعالیٰ ہم سے باز پرس کر سکتے ہیں۔

شادی میں عمر کا لحاظ

اسی طرح خدا تعالیٰ نے شادی کا ایک نمونہ (یعنی حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی) ہم کو دکھلا دیا ہے کہ اُس میں نہ مہمان آئے تھے نہ لال خط گیا تھا نہ ڈوم گیا تھا نہ نائی نہ واسطہ سے پیغام پہنچا بلکہ پیغام خود دولہا صاحب لے گئے تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بھیجے ہوئے تھے۔ اول حضرت فاطمہ زہراؓ سے حضرات شیخین (۵) نے پیغام دیا تھا لیکن ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ نے عذر فرما دیا اللہ اکبر۔ صاحبو! غور کرنے کی بات ہے کہ حضور ﷺ

(۱) جن چیزوں کی اجازت ہے وہ زیادہ ہیں جن سے منع کیا وہ کم ہیں (۲) ریشم (۳) تم جو چاہو پہنو (۴) اعتراض ختم ہو گیا (۵) ابوبکرؓ و عمرؓ۔

نے ہم کو کیسے کیسے گہرے امور پر مطلع فرمادیا ہے۔ یعنی حضراتِ شیخین سے انکار فرما کر آپ نے یہ بتلادیا کہ اپنی اولاد کے لئے شوہر کی ہم عمری کا لحاظ بھی ضرور کرو۔ ایک نوجوان عورت کی شادی ایک بوڑھے مرد سے ہوگئی تھی وہ کہتی تھی کہ جب میرے سامنے آتے ہیں تو مجھ کو بہت شرم آتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دادا آ گیا اور اکثر عورتیں عمروں میں تفاوت ہونے کی وجہ سے آوارہ ہوجاتیں ہیں کیونکہ ان کا دل نہیں ملتا' بتلایئے حضراتِ شیخین سے زیادہ کون ہوگا لیکن حضور ﷺ نے محض عمر کے تفاوت کی وجہ سے انکار فرمادیا۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی

جب دونوں صاحبوں کو اس شرف سے مایوسی ہوئی تو ان دونوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ حضور ﷺ نے ہم دونوں سے تو اس خاص وجہ سے انکار فرمادیا ہے تم کم عمر ہو بہتر ہے کہ تم پیغام دو جو لوگ شیخین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عداوت رکھنے کا الزام رکھتے ہیں ان کو اس واقعہ میں غور کرنا چاہئیے۔ غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور جا کر خاموش بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ جس غرض سے تم آئے ہو اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کردوں۔ منظوری کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چلے آئے ایک روز حضور ﷺ نے دو چار اصحاب کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھا دیا چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجلسِ نکاح میں موجود نہ تھے اس لئے یہ فرمادیا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ منظور کریں' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خبر ہوئی تو آپ نے منظور کیا اس کے بعد حضور ﷺ نے اُمِّ ایمن کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر روانہ کردیا نہ ڈولہ تھا نہ برات تھی۔ اگلے دن حضور ﷺ خود تشریف لائے

اور حضرت فاطمہ زہراؓ سے پانی مانگا انہوں نے اُٹھ کر پانی دیا' آج ہم نے اس سادگی کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ نکاح کے بعد ایک مدت تک دلہن منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہتی ہے میں کہا کرتا ہوں کہ بجائے منہ پر ہاتھ کے ہاتھ پر منہ رکھنا چاہئیے' بہرحال جو کچھ بھی کہا جائے منہ ڈھکا جاتا ہے اور وہ اس قدر پابند بنائی جاتی ہے کہ نماز وغیرہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتی جس طرح بندے کو خدا کے ہاتھ میں ہونا چاہئیے تھا اس طرح وہ نائن کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کس قدر بے حیائی ہے کہ عورتیں منہ دیکھ کر فیس دیتی (۱) ہیں تو آج کل پابندی کی یہ حالت ہے اور حضرت فاطمہؓ نے اگلے ہی دن کام کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پانی لاؤ وہ بھی لائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت فاطمہؓ پانی لائی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اب عورتیں اس فعل کو بالکل ناجائز سمجھتی ہیں۔ اسی طرح کی اور بھی جہالتیں ہیں چنانچہ عورتوں کا یہ بھی خیال ہے کہ شوہر کا نام لینے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور شوہر کا نام لینا گویا بالکل ناجائز ہے مگر عورتوں کو نام لینا تو بے ادبی ہے زبان چلانا اور گستاخی کرنا بے ادبی نہیں ہے شوہر سے لڑنا یا عورتوں کو گالیاں دینا گویا ناجائز نہیں ہے۔ بعض عورتیں تو اس کی یہاں تک پابند ہیں کہ اگر قرآن میں وہ لفظ آجائے تب بھی اُس کو نہیں پڑھتیں گویا قرآن میں ان کے شوہر ہی کا نام لکھا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض عورتیں اُس کے شہر کا نام بھی نہیں لیتیں اور شوہر کے نام کے ہم وزن الفاظ بھی نہیں کہتیں (۲) لیکن معلوم نہیں کہ یہ ساری باتیں ناجائز ہوکر گستاخی کرنا کیسے جائز ہوگیا؟

---

(۱) اس رسم کا نام آج کل منہ دکھائی رکھا گیا ہے (۲) یہ اس زمانے کی باتیں ہیں آج کل تو ایسے نام لیتی ہیں جیسے اپنے سے چھوٹے کو بلاتی ہوں جیسے اُس زمانے میں بُرا تھا ویسے ہی آج بھی بُرا ہے۔

حالتِ غم میں حضور ﷺ کا طرزِ عمل

غرض حضور ﷺ نے شادی کر کے بھی دکھلادی اور حضور ﷺ نے غمی کر کے بھی دکھلادی کہ آپ کے صاحبزادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا آپ نے نہ جزع فزع کیا نہ کسی کو اجازت دی صرف آنسو نکلے اور یہ فرمایا کہ (اَنَا بِفِرَاقِكَ يَآ اِبْرَاهِيْمَ لَمَحْزُوْنُوْنَ) ''ابراہیم تیری جدائی سے ہم بڑے مغموم ہیں'' اور ایک جگہ تشریف فرما رہے لوگ آ کر تعزیت کرتے رہے پس ہم کو بھی چاہیئے کہ تسلی دیں اور ثواب بخشیں یہ دونوں امر مسنون ہیں اور باقی سب لغو ہیں مثلاً دور دراز کے مہمانوں کا آنا اور دسویں چالیسویں میں شریک ہونا پھر عدّت کے ختم کے بعد اُس عورت کو عدّت سے نکالنے کے لئے جمع ہونا گونا(۱) وہ کسی کوٹھری میں بند تھی کہ یہ سب مل کر اُس کا قفل (۲) توڑیں گے۔

چالیسویں کی بدعت

ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کا انتقال ہوا اُن کے صاحبزادے نے رسم چالیسویں کو توڑنا چاہا لیکن اس کی یہ صورت اختیار نہیں کی کہ کچھ نہ کریں بلکہ یہ کیا حسبِ رسم تمام برادری کی دعوت کی اور بہت سے عمدہ عمدہ مُرغن کھانے پکوائے بڑے لوگوں پر ایک یہ بھی آفت ہے کہ جب تک وہ گھی کی نہر نہ بہادیں اُس وقت تک ان کا کرنا کچھ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ غرباء بحمداللہ اس سے بَری (۳) ہیں میں جب ڈھاکہ گیا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں سیر بھر گوشت میں سیر بھر گھی کھاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ صاحب گھی کوئی زیادہ کھانے کی چیز نہیں ہے ورنہ جنت میں گھی کی بھی ایک نہر ہوتی جیسے دودھ شہد کی نہریں جنت میں ہیں۔ غرض جب

(۱) اگرچہ نہ وہ کسی کوٹھری میں بند تھی (۲) تالہ (۳) آزاد ہیں۔

سب لوگ جمع ہوگئے تو ہاتھ دھلوا کر کھانا چنوادیا(۱) اور سب کو بٹھلادیا اجازت شروع سے پہلے کہنے لگا کہ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ میرے والدِ ماجد کا انتقال ہوگیا ہے اور والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ جانا جیسے عظیم الشان صدمہ کا باعث ہوتا ہے ظاہر ہے۔ تو صاحبو کیا یہ ہی انصاف ہے کہ ایک تو میرا باپ مرے اور اوپر سے تم لوگ مجھ کو لوٹنے کے لئے جمع ہو تم کو کچھ شرم بھی آتی ہے' اس کے بعد کہا کہ کھایئے' لیکن سب لوگ اُسی وقت اُٹھ گئے اور یہ رائے ہوئی کہ ان رسوم کے متعلق علیحدہ بیٹھ کر غور کرنا چاہیئے چنانچہ بہت سے آدمی جمع ہوئے اور باتفاق رائے ان کو موقوف کردیا اور وہ کھانا سب فقراء کو تقسیم کردیا گیا۔ ہمارے جوار(۲) میں ایک قصبہ کیرانہ ہے وہاں ایک حکیم صاحب فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک گوجر آیا اُس کا باپ بیمار ہورہا تھا۔ کہنے لگا کہ حکیم صاحب جس طرح ہوسکے اب کی مرتبہ تو اس کو اچھا ہی کردیجئے کیونکہ قحط بہت ہورہا ہے اگر بُڈھا مرگیا تو مرنے کا تو چنداں غم نہیں (۳) مگر چاول بہت گراں (۴) ہیں برادری کو کس طرح کھلاؤں گا خیر غنیمت ہے۔ آج کل ان رسوم کا مذموم (۵) ہونا تو اکثر نوجوان سمجھ گئے ہیں اور منع بھی کرتے ہیں تو گویا زندوں کا غم مُردے کے غم سے زیادہ ہوا ان کی روک ٹوک زیادہ قابلِ مدح نہیں کیونکہ ان کی غرض اس روک ٹوک سے یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی کے خرچ سے بچے گا تو ہم کو ہارمونیم اور میز کرسی میں خرچ کرنے کا خوب موقع ملے گا۔ تو جس روک کا منشاء یہ ہو وہ قابل مدح نہیں ہے لیکن خیر پھر بھی ان کی حالت اس خاص اعتبار سے دوسروں سے غنیمت ہے اس وقت واقعی عقول میں گو نہ روشنی آگئی ہے لیکن یہ روشنی ناکافی ہے کافی اُس وقت ہوگی کہ جب ضَمِ ضمیمہ (۶) بھی ہو یعنی ایک عاقل کی عقل بھی ان کی عقل کے ساتھ اور اُس کی رہبر ہو اور عاقل وہ ہیں

(۱) کھانا لگوادیا (۲) پڑوس میں (۳) اِتنا غم نہیں (۴) مہنگے ہیں (۵) برا ہونا (۶) اس کے ساتھ ایک بات اور شامل ہوجائے۔

کہ جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ ؎

خلق اطفالند جُز مستِ خدا نیست بالغ جُز رہیدہ از ہوئی

''مستِ خدا کے علاوہ تمام مخلوق بچے ہیں جو ہوئی اور ہوس سے خالی نہیں وہ بے عقل ہیں''

تو عاقل وہی ہے جو رہیدہ از ہوئی ہو بہرحال کہاں تک تفصیل کروں خلاصہ یہ ہے حضور ﷺ ہمارے لئے نمونہ ہیں لہذا ہر ہر حالت میں ہم کو غور کرنا چاہئیے کہ ہم اس نمونے کے موافق ہیں یا نہیں۔ سلف صالحین نے تو یہاں تک کیا ہے کہ ایک درزی کے یہاں حضور ﷺ کی دعوت تھی درمیان میں ایک جملہ معترضہ یاد آیا۔

حضور ﷺ کے فقر اختیار کرنے کی وجہ

کہ ہماری شان خدا جانے کیا بڑھ گئی ہے کہ ہم غریبوں کے ہاں جاتے ہوئے عار کرتے ہیں بلکہ ان کو بلاتے ہوئے بھی عار آتی ہے اکثر دیکھا گیا کہ جو لوگ ذرا معزز عہدوں پر ہیں وہ اپنی برادری کے غریب لوگوں کو اپنے پاس بلاتے ہوئے اور ان کے پاس بیٹھتے ہوئے عار کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کو دیکھئے کہ آپ ایک غریب آدمی کے ہاں تشریف لے گئے اور اگر کوئی کہے کہ حضور ﷺ غریب تھے (نعوذ باللہ) تو سمجھ لو کہ حضور ﷺ کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہ تھا فقیر وہ ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو ؎

شریف گر متواضع نشود خیال مبند کہ پائگاہِ رفیعش ضعیف خواہد شد

''شریف متواضع نہ ہو تو خیال مت کر کہ اس کا بلند مقام کمزور ہو جاتا ہے''

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے سلطنت چھوڑ دی تھی تو کیا اُن کو فقیر کہا جائے گا؟ اسی طرح حضور ﷺ نے بھی اپنے اختیار سے فقر اختیار کیا تھا اور اختیاری بھی کیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو خدا تعالیٰ آپ کے لئے جبلِ اُحد کو سونا کر دیں کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلا کرے۔ شاید کوئی کہے کہ جبلِ احد کیوں کر چلتا؟ تو صاحبو آپ کے نزدیک زمین متحرک ہے یا نہیں تو جب زمین حرکت کر سکتی ہے تو جبلِ اُحد کے حرکت کرنے میں کیا محال لازم آتا ہے' اگر کہیئے کہ زمین کششِ آفتاب کی وجہ سے چلتی ہے تو میں کہوں گا کہ حضور ﷺ کے جسم مبارک میں اگر کشش ہو تو کیا قباحت ہے؟ سائنس کے مسئلے ابھی ختم نہیں ہیں۔ کشش کے لئے جسم کا بڑا ہونا کچھ ضروری نہیں اور کشش تو محض آپ کی خاطر سے تنزل کر کے مان لی ہے ورنہ کشش کیا چیز ہے جو شخص خدا کو مانتا ہے اُس کو کشش وغیرہ کے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے جبرئیل میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ اور اگر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کی اس تجویز میں کتنی عظیم الشان حکمت پنہاں ہے۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ میری امت مجھ سے محبت کرے گی اگر میں دنیالوں گا تو تمام امت تحصیلِ دنیا کو سنت قرار دے گی اور دنیا کے مفاسد سے بچنے کی قوت ہوگی نہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ امت ہلاک ہو جائے گی اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک کامل آدمی جو کہ سانپ پکڑنے کا منتر جانتا ہو وہ باوجود یکہ اپنے ضرر سے بالکل مطمئن ہے لیکن اس خیال سے کہ مجھے پکڑتے دیکھ کر بچہ بھی سانپ کے منہ میں انگلی نہ دیدے خود بھی سانپ کو نہیں پکڑتا پس حضور ﷺ نے ہمارے لئے تکلیف برداشت کی تو کیا آپ کا فقر اضطراری فقر ہوگا ہرگز نہیں بلکہ فقر اختیاری تھا۔

شاہ ابوالمعالیؒ کی حکایت

مجھے حضرت شاہ ابوالمعالی رحمہ اللہ کی حکایت یاد آئی۔ آپ کے ہاں اکثر فقر و فاقہ ہوا کرتا تھا ایک مرتبہ ان کے پیران کے ہاں آکر مہمان ہوئے اس روز بھی اتفاق سے فاقہ تھا اور حضرت شاہ ابوالمعالیؒ مکان پر نہ تھے گھر کے لوگوں نے پڑوس سے قرض منگانا چاہا لیکن وہاں سے قرض نہ ملا کئی جگہ آدمی کو بھیجا لیکن سب جگہ سے جواب ملا۔ جب ان کے پیر نے کئی بار آدمی کو آتے جاتے دیکھا تو دریافت فرمایا' معلوم ہوا کہ آج فاقہ ہے۔ آپ نے کچھ نقد اپنے پاس سے دیا اور فرمایا کہ جا کر بازار سے اناج لے آؤ اور جب لاؤ تو مجھے دکھلانا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے ایک نقش لکھ کر اس اناج میں رکھدیا۔ نقش کا رکھنا ایک پردہ تھا ورنہ یہ آپ کا تصرف تھا اور یہ اوپر سے ہوتی چلی آئی ہے خدا تعالیٰ جب کوئی خارق(۱) پیدا کرتے ہیں تو اس کو ناسوت کے پردے میں پیدا کرتے ہیں جیسے بارش وغیرہ کا ہونا۔ اسی کے موافق انہوں نے بھی وہ تعویذ لکھ کر اناج میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اس میں سے لے کر پکایا کرو چنانچہ مدت تک پکتا رہا اور ختم نہ ہوا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ سفر سے واپس تشریف لائے اور یہ حالت دیکھی تو ایک روز فرمایا کہ مدت سے فاقہ نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ صاحبزادی نے یہ سارا واقعہ عرض کیا۔ اب اس وقت حضرت پر سخت تنگی کا وقت ہے کہ اگر تعویذ سے کام لیں تو مذاق کے خلاف اور نہ کام لیں تو پیر کے تعویذ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ واقعی یہ حضرات جامع اضداد ہوتے ہیں۔ اس جامع بین الاضداد پر مجھے ایک اور حکایت یاد آئی۔ ہمارے حضرت قبلہ حاجی امداداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ بیٹھے ہوئے تھے اور یہ مضمون بیان

(۱) خلاف عادت جب کوئی کام کرتے ہیں۔

فرمارہے تھے کہ جس طرح راحت و آرام نعمت ہے اُسی طرح بلا بھی نعمت ہے کہ اُسی وقت ایک شخص آیا اس کا ہاتھ زخم کی وجہ سے خراب ہورہا تھا اور سخت تکلیف میں مبتلا تھا اور کہا کہ میرے لئے دعا فرمایئے اُس وقت میرے قلب میں یہ خطرہ گزرا کہ حضرت اس کے لئے کیا دعا کریں گے اگر صحت کی دعا کریں تب تو اپنی تحقیق سے رجوع لازم آتا ہے اور اگر دعا نہ کریں تو اس شخص کے مذاق کی رعایت نہیں ہوتی اور یہ شیخ کامل کے لئے ضروری ہے آپ نے فرمایا کہ سب لوگ دعا کریں کہ اے اللہ اگرچہ ہم کو معلوم ہے کہ یہ تکلیف بھی نعمت ہے لیکن ہم لوگ اپنے ضعف کی وجہ سے اس نعمت کے متحمل نہیں ہوسکتے اس نعمت کو مبدل بہ نعمتِ صحت فرمادیجئے۔ اسی طرح حضرت شیخ ابوالمعالیؒ نے فرمایا کہ نقش حضرت کا تبرک ہے میرا سر اس کا زیادہ مستحق ہے یہ کہہ کر اُس کو تو اپنے سر میں باندھ لیا اور اناج کے لئے حکم دیا کہ اس کو صدقہ کردیا جائے تو جب حضور ﷺ کے ادنیٰ خدام کی یہ حالت تھی تو حضور ﷺ کو کون فقیر کہہ سکتا ہے اور جہاں حضور ﷺ کی یہ حالت تھی اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ حضرت نے سو اونٹ بھی اپنی طرف سے ذبح فرمائے تھے تو اب یہ شبہہ نہ رہا کہ حضور ﷺ غریب تھے اور غریب ہونے کی وجہ سے تشریف لے گئے بلکہ آپ سلطان تھے اعتقاداً بھی اور واقعتاً بھی کیونکہ صلح جنگ قتال وغیرہ سب آپ کے حکم سے ہوتی تھی اور باوجود اس کے پھر آپ درزی کے گھر تشریف لے گئے۔

متکبّر امراء کا غرباء سے برتاؤ

اب ہم کو ان کے گھر جاتے بلکہ ان کو السلام علیکم کی اجازت دیتے بھی ننگ (۱) آتا ہے کسی قصبے میں ایک حجام نے ایک رئیس صاحب کو السلام علیکم کہہ دیا تو رئیس صاحب نے اُٹھ کر ایک چپت رسید کیا اور کہا تو اس قابل ہوگیا ہے کہ ہم کو

(۱) حیا، شرم۔

السلام علیکم کہے۔ حضرت سلامت کہا کر جب نماز کا وقت ہوا تو اس نے نماز پڑھی اور ختم نماز پر بجائے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کے پکار کر کہا حضرت سلامت ورحمۃ اللہ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے' کہنے لگا کہ آج میں نے السلام علیکم کہا تھا تو ایک چپت لگا مجھے ڈر ہوا کہ نماز میں فرشتوں کو بھی سلام کیا جاتا ہے اور ان میں حضرت عزرائیل بھی ہیں اگر کبھی وہ خفا ہوگئے تو میرا دم ہی نکال دیں گے۔ تو جب ہمارے رؤساء کو سلام سے عار آتی ہے تو کھانا پینا تو بہت بڑی بات ہے۔

غرباء کی علماء سے محبت

لکھنؤ کا واقعہ ہے کہ وہاں کے ایک عالم ایک سقے کے گھر تشریف لے جاتے تھے کہ ایک رئیس ملے پوچھا کہ مولانا کہاں جارہے ہیں؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس سقے نے دعوت کی ہے رئیس نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ آپ نے تو لٹیا ہی ڈبودی(۱) سقّے کے گھر دعوت کھانے جاتے ہیں' مولوی صاحب نے کہا ہاں صاحب ٹھیک ہے اور سقے سے کہا کہ اگر تو ان کو لے چلے تو میں بھی چلتا ہوں ورنہ میں بھی نہیں جاتا وہ رئیس کے سر ہوا اور ہاتھ پاؤں جوڑ کر لے چلا مولوی صاحب نے اس تدبیر سے یہ بات دکھلادی کہ ان غرباء کا اصرار کس طرح کا ہوتا ہے اور ان کو کس درجہ خلوص ہوتا ہے حقیقت میں امراء کو خبر نہیں ورنہ اگر ان کو بھی معلوم ہوجائے کہ غرباء کو اہل اللہ وعلماء سے کتنی محبت ہے تو ان کو مجبور و معذور سمجھیں جیسے خود تھوڑے سے اصرار سے یہ رئیس مجبور ہوگئے۔ محبت وہ چیز ہے کہ ؎

عشق را نازم کہ یوسف را بباز ار آورد ہمچو صنعا زاہدی را اوبزنّار آورد

''میرے عشق کو ناز ہے کہ یوسف علیہ السلام کو سرے بازار لے آیا۔ صنعا

(۱) آپ نے تو حد ہی کردی۔

جیسے زاہد کو زنار پہنا دیا''

تو اگر کسی بڑے شخص کو غریب کے گھر پہنچا دے تو کیا تعجب ہے اس کے عجیب غریب تصرفات ہوتے ہیں مگر افسوس ہے کہ امراء کو ان کی اطلاع نہیں کیونکہ لوگوں کو ان سے محبت ہی نہیں ہے ان کی اگر تعظیم بھی کرتے ہیں تو ایسی جیسے کہ بھیڑیئے کی تعظیم کرتے ہیں یا اگر کھڑے ہوتے تو جیسے سانپ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ متکبّرین سمجھتے ہیں کہ ہماری تعظیم کی حالانکہ یہ تعظیم نہیں ہے بلکہ خوف ہے۔ تو چونکہ ان سے کسی کو محبت نہیں ہوتی اس واسطے ان کو محبت کا اندزہ نہیں ہوتا اور اگر کسی کے ساتھ محبت ہو تو اس کے ساتھ ان کا وہی برتاؤ ہوتا ہے جو کہ علماء کا عوام سے۔ غرض وہاں جو پہنچے تو دیکھا کہ دوسو تین سو سقّے کھڑے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی سب کے سب تعظیم کے لئے بڑھے رئیس صاحب نے یہ عظمت و محبت کبھی عمر بھر میں بھی نہ دیکھی تھی آخر کھانا آیا تو مولوی صاحب نے سقّوں کو اشارہ کیا انہوں نے نہایات اصرار و خوشامد سے کھلانا شروع کیا آخر اس رئیس نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ مولانا واقعی میں نے آج دیکھا اور آج مجھ کو معلوم ہوا کہ عزت رئیسوں میں جانے سے نہیں بلکہ غریبوں کے گھر جانے میں ہے۔

حضور ﷺ کا ایک غریب کی دعوت قبول کرنا

تو جناب رسول مقبول ﷺ بھی غرباء کی دعوت منظور فرما لیتے تھے چنانچہ ایک درزی کے ہاں چلے گئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ساتھ تھے آخر وہ درزی کپڑا سینے بیٹھ گئے آج کل اس کو بے تہذیبی سمجھتے ہیں کہ مہمان کے سر پر مسلط کیوں نہ ہوا۔

آج کل کی تہذیب

صاحبو! یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جن امور کا نام آج تہذیب رکھا ہے یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کو کوئی کام نہ ہو یا ہو تو دماغی کام نہ ہو ورنہ اگر کوئی دماغی کام ہو تو یہ آج کل کی تعظیم و تہذیب مثلاً میزبان کا مہمان پر مسلط ہو جانا اس قدر گراں گذرتا ہے کہ جس کی حد نہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سر پر کوئی پہاڑ رکھ دیا لیکن اس زمانے میں لوگوں کو یہ حرکتیں گراں نہیں گذرتیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے متعلق کوئی فکر کا کام نہیں اگر کوئی فکر کا کام ہو تو ممکن نہیں کہ اس سے گرانی نہ ہو۔

نوکروں کو اپنے سامنے کھڑے کرنے کی برائی

اسی طرح اکثر لوگ اپنے نوکروں کو حکم کرتے ہیں کہ تم کھڑے رہو میں کہتا ہوں کہ اس طرح کھڑے رہنے سے ان امراء کا دل نہیں گھبراتا دوسرے اگر وہ بیٹھ جائیں تو کیا مضائقہ ہے ان کی شانِ ریاست میں کیا کمی آئی جاتی ہے اور ان حرکتوں کا اثر یہ ہے کہ ان سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور تکبر خدا تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک بڑا حجاب ہے خدا تعالیٰ نے کلام مجید میں ایک جگہ اپنے بندوں کی مدح فرمائی ہے تو سب سے پہلے صفت یہ فرمائی ہے ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾(۱) ''اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں'' اس کے بعد نماز اور اس کے بعد معاملات اس کے بعد عقائد وغیرہ کو فرمایا ہے اس ترتیب میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سب میں اول تواضع کی صفت کو فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ اگر تواضع نہ ہو تو ایمان نہیں ہے۔ اسی طرح ایک

(۱) سورۃ الفرقان: ۶۳۔

مقام پر خدا تعالیٰ نے کفار کی مذمت فرمائی ہے تو اس میں ﴿ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾(۱) ظلم وزیادتی فرمایا ہے غرض خدا تعالیٰ کو یہ بات بالکل ناپسند ہے کہ انسان بت کی طرح بیٹھا رہے اور نوکر اس کے سامنے کھڑے رہیں۔

محبت کا فائدہ

اب چونکہ کھانے میں بھی اس قسم کے تکلفات اور تصنعات ہوتے ہیں لہذا اگر کوئی ایسا کرے جیسا اس درزی نے کیا تو لوگ اس کو بے تہذیب بتلاویں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے کھا رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے دیکھ کر اس روز سے مجھے کدو سے محبت ہوگئی ہے آپ نے دیکھا محبت ایسی چیز ہے ہم کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ ہم کو محبت نہیں ہے ورنہ محبت وہ چیز ہے کہ محبوب کی ہر ہر ادا محبوب ہوجاتی ہے۔

عظمت کا مقتضٰی

اس سے اس زمانہ میں عظمت' اس کی مثال سمجھو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں ایک حاکم اعلیٰ لنگڑا کر چلتا تھا تو دلدادگان فیشن نے اس کی تقلید میں لنگڑا کر چلنا شروع کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک بادشاہ کی داڑھی گاؤدم تھی تو لوگ مدت تک اسی قسم کی داڑھی رکھتے تھے بلکہ شاید دعا کرتے ہوں کہ ہماری داڑھی اُسی قسم کی ہوجائے اور ہم لنگڑے ہوجائیں تو دیکھئے عظمت سے اس زمانے میں تشبہ کا مسئلہ ایسا چلا کہ علماء منع کرتے کرتے عاجز آ گئے لیکن لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا حالانکہ اس میں کوئی معذوری بھی نہیں ہے بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ بظاہر

(۱) سورۃ النحل: ۱۴۔

اس میں معذوری بیان کی جاسکتی ہے جیسے رشوت کا دینا یا بعض اوقات میں لینا اگرچہ واقعیت کے اعتبار سے اس میں بھی کوئی معذوری نہیں ہے لیکن وضع میں (۱) تو کوئی مجبوری وہمی بھی نہیں مگر وضع کا چھوڑنا دشوار ہورہا ہے وجہ اس کی یہ ہی ہے کہ عظمت نے اس کو محبوب بنادیا ہے۔ تو اہل دنیا کی عظمت نے جب یہ رنگ دکھلایا تو حضور ﷺ کی عظمت کیوں یہ رنگ نہ دکھلاتی۔

لمحہ فکریہ

صاحبو! اس کا کوئی شافی جواب دیجئے کہ اطمینان ہو ورنہ اپنی حالت درست کیجئے کیا جواب ہے اس کا کہ کوئی حضور ﷺ کی عظمت ومحبت سے تو ذرا بھی رنگ نہ بدلے اور ایک بے دین کی ایسی عظمت ہو کہ اس کی تقلید میں حلال وحرام کی بھی تمیز نہ رہے میں کہتا ہوں کہ اگر اس پر عذاب بھی نہ ہو صرف خدا تعالیٰ اپنے رو برو کھڑا کرکے یہ پوچھ لیں کہ حضور ﷺ کی عظمت تمہارے دلوں میں زیادہ تھی یا شاہانِ دنیا کی؟ تو کیا جواب دو گے۔ اگر کہو کہ یہ اتباع عظمت کی وجہ سے نہیں تو میں کہوں گا کہ بالکل غلط ہے بلکہ محض عظمت ہی کی وجہ سے ہے۔

ہر عمل میں حضور ﷺ کا اتباع ضروری ہے

پس معلوم ہوا کہ لباس میں بھی حضور ﷺ کا اتباع کرنا چاہئے اور معاملات میں بھی اور یہ ہی معنی ہیں اس حدیث کے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک اور وہ مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ ''جس میں میں اور میرے اصحاب ہیں'' مَا اَنَا عَلَیْہِ کے معنی یہ

(۱) مشابہت اختیار کرنے میں۔

نہیں ہیں کہ بعینہ وہی لباس ہو بلکہ اگر قولی اجازت ہو تو اس پر عمل کرنے والا بھی عامل بالسنّت ہے تو یہ حکمت تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد میں ﴿وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا﴾ ''بھیج ان میں رسول'' یعنی یہ کہ آپ ایک نمونہ ہوں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ضرورت کو محسوس فرما کر دُعا کی کہ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ الخ یہ تو تمہید تھی اب صرف یہ مضمون رہ گیا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت تھی اور وہ مہتم بالشان ہے کہ اس میں یہ بتلایا جائے گا کہ ہم میں اہتمام بشانِ دینی نہیں رہا۔ سو اس کو کسی دوسرے وقت بیان کر دیا جائے گا(۱)۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہماری اصلاح فرمائیں اور ہمیں توفیقِ عمل عطا فرمائیں۔ آمین(۲)

تمت

(۱) حضرت تھانویؒ نے ''ضرورت العلم باالدین'' ایک وعظ میں یہ بات ذکر فرمائی یہ وعظ دارالعلوم سے چھپ چکا ہے (۲) اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی عمل کی توفیق دیں۔ خلیل احمد تھانوی